ناولٹ

سحر ساجد ہاشمی

digest novels povers group ❤❤

فاطمہ! بس کرو بیٹا کیوں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہو۔ تم اکیلی نہیں جا رہی ہو۔ غنی ہے نا تمہارے ساتھ اور وہاں اس کی فیملی بھی تو ہے۔"

"لیکن آپ لوگوں سے تو دور جا رہی ہوں۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔ ایئر پورٹ پر اس کی ساری فیملی موجود تھی۔

"تو تم کون سا ہمیشہ کے لیے جا رہی ہو۔ سال بعد پھر ہمارے سروں پہ آ پہنچو گی۔" اس کا بھائی بے حد شرارتی انداز میں کہہ رہا تھا۔

"پتا ہے سال میں کتنے دن ہوتے ہیں؟" اس نے سوں سوں کرتے ہوئے پوچھا۔ "پورے تین سو پینسٹھ دن۔" اور پھر خود ہی بچوں کی سی ناراضی سے جواب دیا۔ غنی بے حد دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔ غنی نے اس کی فیملی سے الوداعی کلمات کہے۔ فاطمہ نے پھر سے رونا شروع کر دیا۔ اس نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑا اور اندر کی جانب چل دیا۔

فاطمہ شادی کے ایک ماہ بعد اٹلی جا رہی تھی، غنی کی ساری فیملی وہیں سیٹل تھی۔ غنی اور اس کے والدین ایک ہی گھر میں رہائش پذیر تھے جب کہ اس کا بڑا بھائی اور بھابھی اس کے گھر سے کچھ فاصلے پر موجود ایک اپارٹمنٹ میں رہتے تھے۔

کسی بھی جگہ پر سیٹل ہونے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ فاطمہ دنیا سے انوکھی نہیں تھی جو اسے یہ مشکلات پیش نہ آتیں۔ البتہ اس کے ساس اور سسر کے مشفقانہ رویے کی وجہ سے اس کی مشکلات میں کافی حد تک کمی آئی تھی۔

شروع شروع میں فلارنس کی سڑکوں پہ گھومتے ہوئے وہ بری طرح سے گھبرا جاتی تھی۔ وہاں پر موجود ویسٹرن عورتوں کی حرکتیں کسی بھی شریف عورت کو نظریں جھکانے پہ مجبور کر سکتی تھیں۔ وہ "اوہ گاڈ" کہتے ہوئے رخ موڑ کر کھڑی ہو جاتی۔ اس کا چہرہ یکدم سرخ ہو جاتا اور غنی اس پر بے ساختہ ہنستا چلا جاتا۔ جواباً وہ ایک ناراض سی نظر اس پر ڈالتی۔

غنی میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو کسی بھی مرد کو بہترین شوہر ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتی ہیں اور فاطمہ میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو کسی بھی عورت کو بہترین بیوی ثابت کرتے ہیں۔ اسے اپنا آپ تتلی کی طرح ہلکا پھلکا لگتا۔ اسے لگتا وہ پہلے زندگی "گزار" رہی تھی۔ اب وہ زندگی "جی" رہی ہے وہ خوش نہیں تھی وہ سرشار تھی۔

☼ ☼ ☼

"غنی! تمہیں اب فاطمہ سے بات کر لینی چاہیے۔"

"پاپا! مجھے سمجھ نہیں آتا میں اس سے کیسے بات کروں؟"

"بات تو کرنی پڑے گی بیٹا! اس کے بغیر چارہ نہیں۔" نفیسہ (غنی کی ماں) نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"ماما! یہ سب آپ کا قصور ہے اگر آپ۔۔۔" لاؤنج میں داخل ہوتی فاطمہ کو دیکھ کر وہ یکدم چپ ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے آپ لوگ خاموش کیوں ہو گئے؟" فاطمہ نے چائے کی ٹرالی کھینچتے ہوئے کہا۔

"ہمیں بزرگوں کا احترام کرنا سکھایا گیا ہے۔" محمود صاحب (غنی کے والد) نے اسے دیکھتے ہوئے خوش گوار انداز میں کہا۔

اس نے محمود صاحب کو چائے کی پیالی پکڑاتے ہوئے بے حد ناراضی سے انہیں دیکھا محمود صاحب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"کیا میں کبھی اس کو کچھ بتا سکوں گا۔" غنی نے محمود صاحب کی کسی بات پر بے تحاشا ہنستی ہوئی فاطمہ کو دیکھ کر سوچا۔

✲ ✲ ✲

"مائی گڈنیس کیا ہوا؟"

"یا اللہ خیر!" وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

رات کے دو بجے اس کی نیند غنی کے ان الفاظ سے ٹوٹی تھی۔ وہ سیل پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ پریشانی اس کی آواز و انداز سے جھلک رہی تھی۔ وہ سینے پہ ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"ہاں؟" وہ بری طرح سے چونکا۔ "کچھ نہیں؟"

"کچھ نہیں!" فاطمہ نے حیرت سے دہرایا۔

"اگر کچھ نہیں تو رات کے دو بجے آپ کے اس قدر پریشان ہونے کی وجہ؟" غنی نے گہری سانس خارج کر کے اسے دیکھا۔

"میری کمپنی کی مین برانچ میں آگ لگ گئی ہے اور برانچ مینیجر ہونے کے ناتے مجھے وہاں جانا ہے۔" اس نے روانی سے جھوٹ بولا۔

"کیا؟ آگ لگ گئی ہے۔ آپ مجھے نہ بتاتے۔ اور بات تھی۔ اب آپ کا کیا خیال ہے میں آپ کو جانے دوں گی؟" فاطمہ بیڈ سے اٹھ کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"فاطمہ! پلیز تم سو جاؤ میں آجاؤں گا۔ او کے!" اس نے فاطمہ کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"مگر غنی۔۔۔"

"کہا نا تم سو جاؤ۔" اس نے کار کی چابی اٹھائی۔ والٹ جیب میں ڈالا۔

"غنی میری بات سنیں۔" وہ دروازہ کھول چکا تھا وہ پیچھے ہٹی اس نے کار اسٹارٹ کی۔

"کیا میں اب سو سکتی ہوں؟" اس نے ماربل کی سیڑھیوں پر بیٹھتے ہوئے خود سے سوال کیا۔ جواب بڑا واضح آیا تھا۔

"یقیناً نہیں۔"

غنی نے مڑ کر فاطمہ کو ایک نظر دیکھا۔ وہ اسے ماربل کی سیڑھیوں پہ بیٹھی نظر آئی اس کا دل چاہا وہ اس سے کہے کہ "اٹھ کر کمرے میں چلی جاؤ۔" وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکا تھا کیونکہ اسے بہت جلدی تھی۔

وہ صبح پانچ بجے گھر واپس آیا تھا اور آتے ہی اسے حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔ فاطمہ ماربل کی سیڑھیوں پر اسی طرح بیٹھی تھی جس طرح وہ چھوڑ کر گیا تھا غنی کو بے اختیار یاد آیا گھر سے باہر نکلتے وقت سردی سے اس کے دانت بجنے لگے تھے اور وہ۔ وہ اس وقت ایک عام سا سویٹر بھی نہیں پہنے ہوئے تھی۔

غنی نے اسے بہت تیزی سے اپنی طرف آتے دیکھا۔

"آپ ٹھیک ہیں نا؟" وہ اس کے گال پہ ہاتھ رکھ کر پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کی ٹھنڈک یکدم غنی کو اپنے پور پور میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"یہ عورت مجھے دن بہ دن کمزور کر رہی ہے میں کیسے اسے بتاؤں کہ میں۔۔۔؟" غنی نے اسے دیکھتے ہوئے بے چینی سے سوچا۔

✲ ✲ ✲

"غنی! میں اور تمہارے پاپا حج پہ جا رہے ہیں۔

تمہاری بھابھی کی ماں کی طبیعت سخت خراب ہے وہ بھی پاکستان جارہی ہے۔ تم مجھے بتاؤ اب کیا ہوگا۔"

غنی کے برش کرتے ہوئے ہاتھ بے اختیار رکے۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنی ماں کا عکس دیکھا۔

"کیا کوئی ماں اپنی اولاد کو تکلیف پہنچا سکتی ہے؟ اگر نہیں! تو یہ آدھا جھوٹ ہے اور اگر ہاں تو یہ کڑوا سچ ہے۔"

وہ خاموشی سے آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا۔

"غنی! وہ کیا کرے گی زیادہ سے زیادہ روئے گی' شور مچائے گی۔ یہاں پر وہ بالکل اکیلی ہے۔ تم مرد ہو کر خواہ مخواہ میں ایک عورت سے ڈر رہے ہو۔" اس کی ماں اسے فاطمہ کی بے بسی سے آگاہ کر رہی تھی۔

"کیا میں اس کی محبت وفاداری اور خلوص کے بدلے میں اسے تکلیف پہنچاؤں کیا اس کا رونا چلانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔" وہ اپنے کندھے پہ دھرے اپنی ماں کے ہاتھ کو نہیں دیکھ رہا تھا در حقیقت وہ سوچ رہا تھا۔

"آج نہیں' کل پرسوں۔ سال کی کسی تاریخ میں تو تمہیں اسے یہ بات بتانی پڑے گی تو پھر آج کیوں نہیں؟

ویسے بھی یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے جتنی تم بنا رہے ہو' کون سی آسائش ہے جو اسے اس گھر میں میسر نہیں؟ سب کچھ تو ہے اس کے پاس۔" اس کی ماں اسے "پٹیاں" پڑھا رہی تھی۔

"کیا "آسائش" اس کے ہونے والے نقصان کو پورا کرسکتی ہے؟"

"غنی! میں تم سے بات کر رہی ہوں" اب کی بار نفیسہ نے اس کی خاموشی سے تنگ آکر کہا۔ اس نے خاموش نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"پلیز! آپ یہاں سے چلی جائیں۔" وہ مدھم آواز میں بولا۔

"بلکہ جسے بھی جہاں جہاں جانا ہے وہ چلا جائے آپ لوگوں نے مجھے اس مشکل میں پھنسایا ہے۔ غلط کیا ماما' بہت غلط کیا آپ نے' میرا دل چاہتا ہے۔ میں کہیں دور جنگلوں میں نکل جاؤں۔" وہ یکدم بھڑک اٹھا تھا۔

"میں دنیا کی کسی بھی عورت کو یہ بات بتا سکتا ہوں مگر فاطمہ کو نہیں بتا سکتا۔ آپ نہیں جانتیں ماما!۔۔۔ آپ جان بھی نہیں سکتیں۔ میں کیا کھو دوں گا۔"

نفیسہ نے از حد حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ ہمیشہ سے دھیمے لہجے میں بات کرنے کا عادی تھا اور ان کے سامنے تو اس نے کبھی بھی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی۔

آج ایک "عورت" کے لیے اس نے نفیسہ سے اونچی آواز میں بات کی تھی ان کے دل میں فاطمہ کے لیے ناپسندیدگی کے جذبات ابھرے تھے۔

"آپ یہاں سے چلی جائیں۔ پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ فار گاڈ سیک۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر کہہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"غنی! آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

ہاں!" فاطمہ نے وال کلاک کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کب تک آئیں گے؟"

"صرف پندرہ منٹ بعد۔"

"ماما پاپا نہیں ہیں نا! اس لیے میں ڈر رہی تھی اگر آپ زیادہ وقت کے لیے جاتے۔۔۔۔" وہ الماری میں

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے

بال لمبے اور گھنے کرتا ہے

ملنے کا پتہ: ۳۷، اردو بازار، کراچی

کپڑے رکھتے ہوئے مڑی۔
"غنی!"
اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ غنی کمرے سے جاچکا تھا اسی لمحے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔
"کیا مسئلہ ہے غنی کے ساتھ؟ پچھلے کچھ دنوں سے وہ بہت الجھے ہوئے۔ بہت لاتعلق سے رہنے لگے ہیں تین ماہ میں ان کے ہر انداز' ہر کیفیت سے آگاہ ہوچکی ہوں مگر ان کا یہ روپ ناقابل فہم ہے۔"
اس نے پریشانی سے سوچتے ہوئے الماری میں ایک دفعہ پھر سے کپڑے رکھنے شروع کردیے۔
اس کی گاڑی ایک سفید رنگ کے اپارٹمنٹ کے سامنے رکی۔ یہ اس کے بھائی کا اپارٹمنٹ تھا۔ اس کا بھائی اور بھابی چار روز پہلے پاکستان جاچکے تھے۔ اس نے کال بیل پش کی۔ ایک خاتون باہر آگئیں۔
"ہیلو ایڈلا!"
"ہائے گانی (غنی)"

"Have you pack your baggage"
"Yes"
"Lets move__"

وہ پورے پندرہ منٹ بعد گھر میں موجود تھا۔ وہ کمرے میں گیا۔ "وہ" وہاں موجود نہیں تھی۔ کچن میں سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ وہاں چلا گیا وہ کافی دیر اس کے پیچھے کھڑا اسے برتن دھوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ یک دم مڑی تھی۔ برتن ختم ہوچکے تھے اور سب کچھ "ختم" ہونے جارہا تھا۔ غنی کو سانس لینے میں دشواری محسوس ہوئی۔ فاطمہ کے چہرے پہ حیرت ابھری اور پھر وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب آئی۔
"مائی گاڈ! غنی یہ کس کا بچہ اٹھا کر لے آئے ہیں۔"
اس نے غنی کے بازوؤں میں موجود چار ماہ کے سوئے ہوئے بچے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بچے کو چومنے کے لیے جھکی۔
"میرا__"
فاطمہ منجمد ہوگئی تھی۔ وہ بچے کو چوم نہیں سکی تھی۔ پیروں کے نیچے سے زمین کیسے سرک جاتی ہے اس کے معنی فاطمہ غنی سے بہتر کوئی نہیں بتا سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

پندرہ منٹ پہلے کا شخص
پندرہ منٹ بعد کا شخص
صرف پندرہ منٹ
اور شہ مات
آسمان سے گرنا اسی کو کہتے ہیں۔
کیا فاطمہ غنی بھی سوچ سکتی تھی کہ اس کی زندگی میں پندرہ منٹ ایسے بھی آئیں گے' جن کے گزر جانے کے بعد وہ جس شخص کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہے گی وہ غنی محمود ہوگا۔ غنی محمود بدلا تھا یا پھر وہ خود۔
وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ وہ نہیں جان پارہی تھی اسے کیا ہو رہا ہے۔ اس نے شدت سے ایک چیز کی خواہش کی اسے رونا آجائے۔ کوئی چیز اس کے دل پر "دباؤ" کو بڑھا رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس خارج کرکے اس غبار سے چھٹکارا پانا چاہا مگر وہ ناکام رہی اس نے کمرے کی کھڑکیاں کھولنی شروع کردیں۔ اس کے سر میں یک دم شدید درد شروع ہوگیا تھا۔
"فاطمہ!" غنی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔
"آپ یہاں سے چلے جائیں۔" اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔
"فاطمہ! میں تمہیں....!"
"میں بدتمیزی نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے.... چلے جاؤ یہاں سے۔" اس کی آواز سرد تھی۔
غنی خاموشی سے چلا گیا۔
وہ اس شخص کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کم از کم اس وقت اس نے غنی کے جانے کا انتظار کیا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ لائٹ آف کی پھر اس نے کھڑکیاں بھی بند کرنا شروع کردیں۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ اسے کمرے میں چھائے اندھیرے اور اپنے اندر چھا جانے والے

digest novels lovers group

اندھیرے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ کمرے میں موجود اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش نہیں کر رہی تھی وہ اپنی زندگی میں یک دم چھا جانے والے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

روشنی کے بغیر دنیا کا کوئی انسان اس بات پہ قدرت نہیں رکھتا کہ وہ اندھیرے میں دیکھ سکے۔ فاطمہ کے پاس فی الحال روشنی کی کوئی کرن نہیں تھی۔ اسے اپنا وجود دھوپ میں پڑی برف کی طرح پگھلتا ہوا محسوس ہوا۔

☼ ☼ ☼

"سب کچھ کیسے ختم ہو سکتا ہے؟ وہ بھی صرف پندرہ منٹ میں۔" رات کے تین بجے وہ اسی حالت میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔

غنی اور دھوکا؟ دھوکا اور غنی دونوں مترادف تھے یا متضاد وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کے سر کا درد شدت اختیار کر چکا تھا۔

"غنی!" اس نے غنی کا نام پکارنا چاہا تھا۔ اس کے صرف ہونٹ ہل سکے۔ اس نے دوبارہ پکارا اس کی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔

بس اپنا نام دے کر مجھے پیا
سب کچھ لے لیا مجھ سے

اسے بے اختیار ایک گانے کے بول یاد آئے تھے۔

اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

اسے اس بچے کے وجود سے اور اس بچے کے حوالے سے جڑی کسی عورت کے وجود سے تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ اسے تکلیف ہو رہی تھی تو صرف اس بات پر کہ غنی نے اسے دھوکا دیا تھا۔ اس کے روانی سے بہتے ہوئے آنسو ایک دم تھمے۔

بچے کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ کمرے میں موجود ہر چیز کو توڑ دے۔ نیند کی ضرورت

قہقہوں سے گندھی ہوئی تحریر۔
اداس اور غمگین قارئین کے لیے
ایک غم گسار کہانی

وہ غائب ہونا چاہتا تو حاضر ہو جاتا
حاضر ہونا چاہتا تو غائب ہو جاتا
ایک مرد بدحواس کی داستانِ حیرت
شگوفے، پھلجھڑیاں اور بتاشے

حاضر غائب

اظہر کلیم ایم اے

قیمت: -/300 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

اسے شدت سے محسوس ہوئی۔ وہ اب سلیپنگ پلز تلاش کر رہی تھی۔ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد پلز اسے مل گئیں۔ اس نے تین پلز لے لیں' اسے اب نیند کا انتظار تھا۔ بچے کا رونا شدت اختیار کر چکا تھا اور اس کے سر کا "درد"۔

وہ کون تھی؟

کیوں تھی؟

اور کس وجہ سے تھی؟

اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے خالی الذہنی کی کیفیت میں اپنے ارد گرد موجود چیزوں کو پہچاننا چاہا وہ بیڈ پر آنکھیں کھولے چت لیٹی ہوئی تھی۔ اسے وہ سارا ماحول بے حد نامانوس لگ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی" یہ کون رو رہا ہے شاید۔ شاید کوئی بچہ رو رہا ہے۔ کوئی اسے چپ کیوں نہیں کروا رہا۔ میرے سر میں پہلے ہی اتنا درد ہو رہا ہے۔ پلیز چپ کرو۔" وہ بیڈ سے اٹھ گئی۔

وہ مکمل طور پر غائب دماغی کی کیفیت میں تھی۔ اس نے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا اور ایک جھماکے کے ساتھ پوری رات' کسی فلم کی طرح اس کے ذہن میں گھوم گئی تھی وہ "سن" کھڑی رہ گئی تھی۔ کمرے میں ابھی تک اندھیرا تھا۔

"کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں پر یہ خیال نہ ہو کہ غنی نے مجھے دھوکا دیا ہے؟" اس نے ایک دفعہ پھر سے رونا شروع کر دیا تھا۔ اس نے بے بسی سے سوچا۔

"کون کہتا ہے وقت ٹھہرتا نہیں۔ میری زندگی میں تو یہ وقت ہمیشہ کے لیے ٹھہر گیا ہے۔ کیسا مذاق ہے؟" وہ تلخی سی ہنسی۔

کمرے میں ابھی تک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دن تھا یا رات اسے معلوم نہیں تھا اور اس سے فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔ اس نے پردے ہٹائے تیز روشنی کی وجہ سے اس نے بے اختیار اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے۔ اسے آنکھیں کھولنے میں دقت محسوس ہوئی۔

ضروری نہیں اندھیرا ہی آپ کی آنکھوں کو اندھا کر دے۔ یہ کام روشنی بھی کرتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی شیشے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنا عکس آئینے میں دیکھا۔ وہ ویسی کی ویسی ہی تھی۔

کیا وہ ویسی کی ویسی ہی تھی؟ اس کی آنکھیں سوجی ہوئیں اور سرخ تھیں۔ مگر اس کا چہرہ پہلے کی طرح ہی خوبصورت تھا۔ ناک ہونٹ آنکھیں' فرق کسی چیز میں نہیں تھا۔ فرق اس کی چہرے پر پڑا بھی نہیں تھا۔ فرق کہاں تھا؟ خوبصورتی سامنے نظر آ رہی تھی۔ بدصورتی کہاں تھی؟ کیا میں غنی کو چھوڑ دوں؟ اس نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے سوال کیا "کیا میں غنی کو چھوڑ سکتی ہوں؟ اس نے سوال میں ترمیم کی بلکہ اسے کرنا پڑی۔

غنی تم بدصورت چہرہ لے کر بھی میرے پاس آؤ تو میں پھر بھی تمہیں نہیں چھوڑ سکتی' تم واقعی مجھ سے میرا سب کچھ لے چکے ہو۔"

وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

وہ واش روم میں کافی دیر تک منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتی رہی۔ اس نے گرم پانی والا نل نہیں کھولا تھا اسے سکون کی ضرورت تھی۔ وہ اسے ٹھنڈے پانی سے مل رہا تھا۔

وہ اب کمرے کے وسط میں کھڑی یہ سوچ رہی تھی "اب وہ کیا کرے؟" اس نے بے اختیار گہرا سانس خارج کیا۔

"زندگی کو نارمل ہونے میں صرف ایک رات لگے گی۔"

"قسمت کی ستم ظریفی" فاطمہ بڑبڑائی" انسان اپنی قسمت تو خود بنا سکتا ہے مگر نصیب نہیں نصیب آپ کا حصہ ہوتا ہے جو آپ کو "جو بھی ہے" جیسا بھی ہے" کی بنیاد پر قبول کرنا پڑتا ہے۔ چاہے آپ راضی ہوں یا نہ ہوں۔

"قسمت" آپ کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے۔ جو کرو گے وہ تمہاری قسمت! جو نہیں کرو گے۔ وہ "نہیں" میں شمار ہوگا۔ قسمت سے لڑا جا سکتا ہے۔ نصیب سے نہیں "اس نے صبر کیا تھا اسے بھوک

محسوس ہوئی۔ اس نے نصیب سے لڑائی نہ کرنے پہ فیصلہ کیا تھا۔ "فیصلہ" غلط ہوتا ہے یا صحیح یہ وقت بتاتا ہے فاطمہ غنی کو بھی یہ بات "وقت" بتانے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

غنی نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا' وہ بڑے سکون سے چائے پی رہی تھی اس کی نظریں کھڑکی سے باہر کے منظر پر تھیں۔ غنی کچن کے دروازے میں پتھر ہو گیا تھا۔ اس کا سکون غنی کے سکون کو برباد کرنے لگا تھا۔

بچہ بہت شدت سے رویا تھا۔ فاطمہ نے بہت تیزی سے آواز کی سمت دیکھا پھر دروازے میں کھڑے غنی کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔

وہ جو حیران ہیں ہمارے ضبط پہ کہہ دو قتیل ان سے
جو دامن پہ نہیں گرتا' وہ آنسو دل پہ گرتا ہے

اس کے ہونٹوں پہ تلخ مسکراہٹ ابھری۔

بچے کے رونے میں شدت آئی تھی فاطمہ کھڑی ہو گئی۔ غنی پریشان ہوا۔

"راستہ!"

وہ اس کے پاس کھڑی بے حد نارمل انداز میں کہہ رہی تھی۔ غنی پیچھے ہٹ گیا وہ آواز کی سمت میں چل رہی تھی۔ غنی کی پریشانی بڑھنے لگی تھی فاطمہ بچے کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

"مائی گاڈ کیا کرنے جارہی ہے وہ۔" غنی بے حد تیزی سے اس کے پیچھے گیا۔ اسے ایک دفعہ پھر دروازے میں "پتھر" ہونا پڑا تھا۔ فاطمہ بچے کو ایڈلا سے لے رہی تھی۔ وہ اسے ڈانٹ رہی تھی۔

"مجھے شک ہے کہ تم آیا ہو"

اس کے لہجے میں واضح ناراضی تھی۔ غنی کو جھٹکے پہ جھٹکا لگ رہا تھا۔

وہ دس منٹ میں بچے کو چپ کرواچکی تھی۔ فاطمہ اب اسے سلا رہی تھی۔ غنی کی حالت میں تبدیلی نہیں آئی تھی بچہ سو گیا تھا اور اب وہ اسے کاٹ میں لٹا رہی تھی' ایڈلا نے غنی کو دیکھا۔ غنی نے اسے اشارے سے باہر جانے کو کہا۔

"کیا یہ پاگل ہو گئی ہے!" اس نے فاطمہ کو دیکھ کر سوچا۔

"فاطمہ"! غنی نے بے حد ہمدردی سے اسے پکارا۔

"ششش" اس نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اشارہ کیا۔ وہ غنی کا بازو تھام کر اسے کمرے سے باہر لے آئی۔ غنی اگر بے ہوش ہو جاتا تو اس میں حیرت والی کوئی بات نہیں تھی۔ "نام کیا ہے اس کا؟" وہ بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے بولی۔

"شاہ میر۔" غنی نے پلکیں جھپکائے بنا جواب دیا۔

"کسی افیئر کا نتیجہ ہے یا پھر۔؟" غنی کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا اس نے کیا کھویا تھا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا۔

"ایک بات اور۔۔۔ اب یا آئندہ کبھی بھی آپ نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو "غنی" کی زندگی میں "فاطمہ" کی گنجائش کہیں بھی نہیں ہو گی۔" وہ انگلی اٹھا کر اسے وارن کر رہی تھی۔

اس کی نظروں میں حقارت تھی یا سرد مہری وہ اندازہ نہیں کر پایا تھا وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"شاہ میر کی ماں میری کزن ہے۔ شادی ہوئی تھی ہماری۔" اس نے شادی پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"ڈائیورس؟"

"ہو گئی؟"

"کب؟"

"چار ماہ پہلے۔"

"چار ماہ پہلے طلاق اور ایک ماہ بعد دوسری شادی مرد کے معنی ہی وحشی اور خود غرض کے ہیں۔" اس نے بے اختیار ہو کر سوچا۔

"مرد! سمجھ سے باہر ہے۔ جلیبی کی طرح سیدھا جو ہوتا ہے۔"

وہ مسکرا کر اسے کہہ رہی تھی۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ نہ مسکراتی غنی نے اس کی مسکراہٹ کو بے حد "اذیت" سے دیکھا۔

"گورنس کی چھٹی کرادیں تو بہتر ہے۔" وہ نارمل

digest novels lovers group

انداز میں کہہ کر جا چکی تھی۔

غنی کچھ دیر اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ فاطمہ سے جا کر پوچھے۔ تم نے ابھی کیا کہا؟ اس کی سماعت سو فیصد ٹھیک تھی یہ بات وہ اچھی طرح سے جانتا تھا۔ کیا کوئی عورت کو سمجھنے کا دعوے دار ہے؟

"فاطمہ!" اس نے اپنے جسم میں موجود سارے خون کو ابلتے ہوئے لاوے میں بدلتا ہوا محسوس کیا وہ غنی کا ہاتھ نہیں تھا transformer تھا۔

"تمہاری کوئی وضاحت میری بدگمانی کو دور نہیں کر سکتی۔ بہتر ہے کہ تم مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو" وہ نہایت بدتمیزی سے بولی تھی۔

"تم اپنے بچے کی پروا مت کرو۔ مجھے خود پہ حیرت ہے کہ مجھے اس سے نفرت کیوں نہیں محسوس ہوتی؟ اتنی گنجائش کہاں سے آ گئی میرے دل میں؟ اتنی اعلا ظرف تو میں کبھی بھی نہیں تھی۔"

اس نے طنز سے کہا۔ غنی نے ایک بات شدت سے محسوس کی واقعی اس کی کوئی وضاحت اس کی بدگمانی کو دور نہیں کر سکتی تھی۔ اب "کھونے" کی باری اس کی تھی۔

☼ ☼ ☼

"نہ ہونا" ہمیشہ اذیت کا باعث بنتا ہے۔ غنی کی زندگی میں تبدیلی فاطمہ کے "ہونے" نے پیدا نہیں کی تھی۔ یہ عمل اس کے "نہ ہونے" سے شروع ہوا تھا۔ وہ جیسے معذور ہو گیا تھا فاطمہ نام کی بیساکھی ایک دم غائب ہو گئی تھی۔

وہ ہو کر بھی نہیں تھی اور وہ "تھا" پھر بھی نہیں تھا۔ زندگی اسے عجیب سبق پڑھا رہی تھی۔ زندگی اسے "بے بسی" کی کیفیت سے روشناس کرا رہی تھی "مکافات عمل" کا مفہوم سمجھا رہی تھی۔ زندگی پہ فرق "چیزوں" سے نہیں "انسانوں" سے پڑتا ہے انسان بھی وہ... جنہیں آپ اپنا دل "سود" پہ دے چکے ہوں۔

"وہ مجھ سے بات نہیں کرتی... تو ٹھیک ہے نہ کرے وہ میری شکل دیکھنا پسند نہیں کرتی... تو اسے حق ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اسے میرا شاہ میر کو پیار کرنا برا لگتا ہے... میرے جیسے انسان کے ساتھ یہی ہونا چاہیے۔ وہ جیسا سلوک کرنا چاہتی ہے۔ کرے... مگر یوں "غائب" تو نہ ہوا کرے۔" غنی خود کو لاچار محسوس کرتا۔

ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے بے اختیار اس کا دل مچلتا۔ کاش فاطمہ اس کی ٹائی کی ناٹ لگائے اور غلط ناٹ لگانے پر وہ اسے ڈانٹ کے کہے۔

"تمہیں کبھی بھی صحیح ناٹ لگانی نہیں آئے گی۔"

جواباً "وہ صحیح ناٹ کس کر لگاتے ہوئے کہے۔

"لگا سکتی ہوں۔"

ایسا تو فی الحال خوابوں میں بھی ممکن نہیں ہے۔

غنی اپنی خود ساختہ خوش فہمی کا علاج کرتا فاطمہ کسی زہر کی طرح اس کے پورے وجود میں پھیل چکی تھی۔

"شاہ میر" اگر فاطمہ کے لیے دھچکا تھا وہ غنی کے لیے بھی ایک دھچکے سے کم ثابت نہیں ہوا تھا۔ فاطمہ اس سے انتہائی ضرورت کی بات بھی انتہائی ضرورت ہی میں کرتی۔

"تمہارے ہاتھوں میں پتا نہیں کیا ہے یہ جب بھی تمہارے پاس آتا ہے رونے لگتا ہے۔" فاطمہ شاہ میر کو ایڈلا سے لیتے ہوئے جھنجھلا کر کہہ رہی تھی۔

"غنی! آپ اسے فارغ کر دیں۔" وہ شاہ میر کو کندھے سے لگائے۔ ادھر ادھر چکر لگاتے ہوئے چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ چند انتہائی ضروری باتوں کی طرح ایک ضروری بات تھی، غنی نے ٹھنڈی سانس بھر کر سوچا۔

"غنی میں آپ سے کہہ رہی ہوں فارغ کریں اسے کیا کرتی ہے وہ سارا دن سوائے ٹی وی دیکھنے کے" وہ غنی کا بازو ہلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اس نے شاہ میر کو فاطمہ سے لے لیا۔

"جاؤ اسے چپ کراؤ۔" اس نے انگلش میں ایڈلا سے کہا۔ ایڈلا بچے کو لے کر چلی گئی۔

فاطمہ حیرت سے غنی کو دیکھ رہی تھی اور غنی کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ غنی نے فاطمہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ اسے کس نظر سے دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ جانتی تھی وہ اسے کس نظر سے دیکھ رہا ہے۔

اس نے نرمی سے غنی کے ہاتھ اپنے چہرے پر سے ہٹائے اور اس کے کندھے سے سر لگا لیا وہ رو رہی تھی' غنی جانتا تھا وہ کیوں رو رہی ہے اس نے فاطمہ کے آنسو صاف کیے وہ دونوں خاموش تھے۔

محبت میں خاموشی آواز ہوتی ہے اور جب یہ آواز گونجنے لگے تو باقی سب آوازیں بے معنی ہو جایا کرتی ہیں۔ یہ آواز بھنور کی طرح آپ کے گرد دور تک پھیلتی چلی جاتی ہے اور وہ بھی بے حد خاموشی سے فاطمہ واپس آچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"فاطمہ! میں تمہاری اعلا ظرفی کی قائل ہو گئی ہوں"۔ نفیسہ کے سارے منفی جذبات بھاپ بن کر فضا میں تحلیل ہو چکے تھے۔ وہ لوگ حج ادا کر کے واپس آچکے تھے۔

"مجھے خود حیرت ہے ماما! میں اتنی اعلا ظرف کیسے ہو گئی؟" اس نے شاہ میر کو سیریلیک کھلاتے ہوئے بے حد مگن انداز میں کہا اس کی آواز میں کچھ ایسا تھا جس نے نفیسہ کو شرمندہ ہونے پہ مجبور کیا تھا۔

"تم نے اپنے ماں باپ کو بتا دیا؟" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں"

"تو کب بتاؤ گی۔"

"میں نے ان سے یہ بات چھپائی تھی کیا؟" اس نے نفیسہ کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ جواب تو نفیسہ ہی کے پاس تھا مگر ہمت نہیں تھی۔

"غلط کیا میں نے کیا؟" اس نے دوسرا سوال کیا۔ "جب میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو پھر میں جوابدہ بھی نہیں ہوں۔ جوابدہ آپ ہیں ماما! اور آپ ہی بتائیں گی ان کو" وہ سرد آواز میں کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔

نفیسہ کو صورت حال کی سنگینی کا اندازہ اب ہوا تھا۔ وہ حقیقت میں مشکل میں پڑ گئی تھیں۔ فاطمہ کی فیملی کا متوقع رد عمل انہیں دہلا رہا تھا۔ فاطمہ کی فیملی کا عمل ان کی توقع کے عین مطابق تھا غنی کی ساری فیملی انتہائی مشکل میں تھی مطمئن تھی تو صرف فاطمہ!

"یہ اتنی بھی اعلا ظرف نہیں ہے جتنا میں نے اسے سمجھا تھا!" نفیسہ نے جل کر تبصرہ کیا۔ غنی انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"اس پر پڑنے والی مشکل کا اندازہ آپ کبھی بھی نہیں کر سکتیں ماما!" اس نے پست آواز میں کہا۔ جواباً وہ فاطمہ کی شان میں قصیدے پڑھنا شروع ہو چکی تھیں کیا کوئی عورت کو سمجھنے کا دعوے دار ہے۔ غنی کو ایک دفعہ پھر سے سوچنا پڑا۔

غنی نے ایک دفعہ خواہش کی تھی کہ اس کے فاطمہ سے تعلقات پہلے جیسے ہو جائیں۔ اس کے تعلقات فاطمہ سے پہلے جیسے نہیں ہو سکے تھے وہ اس سے کہیں بہتر ہو چکے تھے۔ گزرے ہوئے چار سال اس کا ثبوت تھے۔

فاطمہ نے صرف شاہ میر کو جنم نہیں دیا تھا۔ مگر شاہ میر کے لیے اس کے سارے جذبات اس ماں ہی کی طرح تھے وہ ایک ماں کی طرح شاہ میر کی ہر تکلیف پر روئی تھی۔ اس نے ماں کی طرح شاہ میر کے لیے راتیں جاگ کر گزاری تھیں شاہ میر نے جب بولنا شروع کیا تو وہ خوشی سے پاگل ہونے کو تھی۔ اس کے پاس وہ کاپیاں آج تک محفوظ تھیں جن پر شاہ میر نے پہلی دفعہ لکھنا شروع کیا تھا' اس کے پاس وہ ویڈیو بھی محفوظ تھی جو تب پکچرائز کی گئی تھی جب شاہ میر نے چلنا شروع کیا تھا۔

شاہ میر کی ماں کون ہے۔ جنم دینے والی یا پالنے والی۔ غنی اکثر حیران ہوتا۔

ان چار سالوں میں فاطمہ کی اپنی اولاد نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے اپنے کچھ ٹیسٹ کروائے تھے وہ دونوں

آج ان کی رپورٹس لینے جا رہے تھے۔

"یہ آپ کا بچہ ہے؟" ڈاکٹر نے رپورٹس دینے سے پہلے فاطمہ سے پوچھا۔

"ہاں! یہ میرا بیٹا ہے۔" فاطمہ نے شاہ میر کو چوم کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت حیران کن بات ہے۔"

فاطمہ اور غنی نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔

"کیا سر..." غنی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیونکہ مسز فاطمہ ماں نہیں بن سکتیں۔"

ڈاکٹر نے ان دونوں کے سروں پہ بم پھوڑا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے غنی کا مسکراتا ہوا چہرہ کسی کھنڈر کا منظر پیش کر رہا تھا۔ فاطمہ نے لاشعوری طور پر شاہ میر کو اپنے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

ڈاکٹر نے جو کہا تھا' وہ اس نے اچھی طرح سے سنا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئی تھی غنی رپورٹس لے کر آیا تو اس نے دیکھا۔ فاطمہ نے ہمیشہ کی طرح شاہ میر کو کار کی پچھلی سیٹ پر نہیں بٹھایا تھا' وہ اسے اپنی گود میں لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے شاہ میر کو سینے میں بھینچا ہوا تھا۔ غنی نے گاڑی اسٹارٹ کی' وہ دونوں خاموش تھے۔

فلارنس کی سڑکوں پر ہمیشہ کی طرح ہنگامہ تھا' ٹورسٹ' گائیڈ' گاڑیاں' مختلف آوازیں' شاپس اور ہنستے مسکراتے لوگ' وہاں بہت زیادہ شور تھا۔

غنی کے اندر بھی بے تحاشا شور ہو رہا تھا لیکن پھر بھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ساری دنیا پر خاموشی چھا جائے۔ قبرستان کی سی خاموشی بالکل ویسی ہی خاموشی جیسی گاڑی میں بیٹھے ان دو نفوس پر چھائی ہوئی تھی۔

وہ فاطمہ کو گھر ڈراپ کر کے خود باہر ہی سے چلا گیا تھا' وہ اس وقت فاطمہ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ فاطمہ نے خالی نظر سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ رات گئے وہ گھر آیا۔

فاطمہ شاہ میر کا سر گود میں رکھے کسی بت کی طرح ساکت تھی۔ واحد چیز جو اس کے زندہ ہونے کا ثبوت دے رہی تھی' وہ اس کے بہتے ہوئے آنسو تھے۔ غنی جانتا تھا شاہ میر آج اس کے بیڈ روم میں کیوں سو رہا تھا۔

"فاطمہ!" غنی نے سوئے ہوئے شاہ میر کا ہاتھ نرمی سے فاطمہ کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

فاطمہ نے خالی نظروں سے اسے دیکھا' غنی کو سمجھ نہیں آیا' وہ اس سے کیا کہے کوئی تسلی کا لفظ یا پھر صبر کی تلقین' اسے کیا کہنا چاہیے تھا۔

وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے سر جھکائے سوچ رہا تھا۔

"غنی!" فاطمہ کی رندھی ہوئی آواز آئی۔ اس نے سر اٹھایا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا' وہ بری طرح سے رو رہی تھی۔

"غنی! آپ کو پتا ہے؟ مجھے شاہ میر سے نفرت کیوں نہیں ہوئی؟ میرے دل میں اس کے لیے گنجائش کہاں سے آئی؟"

اس نے سسکتے ہوئے پوچھا' غنی خاموش رہا۔ اس کے پاس اس سے بہتر جواب اور تھا بھی نہیں۔

"مجھے پتا ہے غنی' مجھے پتا ہے۔" وہ بچوں کے سے لہجے میں بولی۔ آنسو اس کے گریبان کو بھگونے لگے تھے۔

"میرے دل میں شاہ میر کے لیے گنجائش اللہ نے رکھی۔ میرے دل میں اس کے لیے "محبت" بھی اللہ نے رکھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میں بنجر ہوں۔ اللہ جانتا تھا نا' اس نے مجھے پیاسا نہیں رہنے دیا۔ اس نے مجھے سیراب کر دیا۔ کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر انسان کے ساتھ مخلص ہو؟ کیا کوئی اس کی مصلحتوں کو سمجھنے کا دعوا کر سکتا ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں۔ میں کس طرح اللہ کا شکر ادا کروں' میں کس طرح اس کا شکر ادا کروں۔" وہ اب غنی کا بازو ہلاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"اللہ۔" وہ اب اونچی آواز میں رونے لگی تھی۔

"میں بے بس ہوں' میں بے بس ہوں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

digest novels lovers group

اس نے روتے روتے اچانک سر اٹھایا تھا۔ اس کا اونچی آواز میں رونا سسکیوں میں بدلا پھر اس نے اپنے گالوں پہ بہتے ہوئے آنسوؤں کو ہتھیلی سے صاف کیا۔

"اللہ میں شاہ میر کو آپ کا انعام سمجھ کر پالوں گی' میں وعدہ کرتی ہوں' میں اسے اچھا مسلمان بناؤں گی۔" وہ زیر لب بڑبڑا کر کہہ رہی تھی۔ اس کے آنسو ایک دفعہ پھر سے چھلک گئے تھے۔ غنی ابھی تک سن بیٹھا تھا۔

فاطمہ اور غنی کی زندگی میں چار سال پہلے ایک بریک آیا تھا جس کے بعد فاطمہ کو نارمل ہونے میں وقت لگا تھا۔ بریک اب بھی آیا تھا مگر اب وہ پرسکون تھی' نارمل تھی' کسی ٹھہرے ہوئے سمندر کی طرح۔

☼ ☼ ☼

"شاہ میر۔۔۔ بیٹا اٹھ جاؤ۔" فاطمہ نے کوئی دسویں بار اسے جگایا تھا۔ غنی سیدھا ہوا اور تھوڑا سا اٹھ کر شاہ میر کے کمرے میں جھانکا۔ اس کا اور شاہ میر کا کمرہ آمنے سامنے تھا۔

"اٹھتا ہوں ممی!" شاہ میر کسمسایا۔

"شاہ میر! اب اگر تم نہ اٹھے تو بہت برا ہوگا۔"

اس نے بے حد ڈپٹ کر کہا۔ شاہ میر برا منہ بناتا ہوا اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔ فاطمہ نے گہری سانس خارج کی۔ وہ اب معمول کی طرح فاطمہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے نماز ختم کر کے فاطمہ کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر چوما۔ فاطمہ بے ساختہ مسکرائی۔

غنی نے یہ سارا منظر اپنے کمرے سے دیکھا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے فاطمہ اسے بھی نماز کے لیے جگا کر گئی تھی۔ "ظہر کی پڑھ لوں گا۔" وہ یہ سوچتے ہوئے دوبارہ کمبل میں دبکنے لگا تھا مگر سامنے کمرے سے آتی آوازوں نے اسے دوبارہ اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"لعنت ہے مجھ پر۔ ایک ساڑھے سات سال کا بچہ دسمبر کی ٹھنڈ میں اور وہ بھی اٹلی کی ٹھنڈ' نماز پڑھ سکتا ہے تو میں کیا ہوں؟ یقیناً ایک گدھا۔" وہ بڑبڑایا۔

اس نے خود سے کمبل اتار کر پھینکا اور واش روم میں چلا گیا۔ وہ نماز پڑھ کر آیا تو شاہ میر فاطمہ کی گود میں سر رکھ کر سو چکا تھا۔ فاطمہ قرآن پاک پڑھ رہی تھی۔ اس نے تلاوت ختم کی اور شاہ میر پر پھونک ماری۔

"مجھ پر بھی پھونک مارو۔" وہ اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"غنی!" فاطمہ نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ گھٹنوں سے ہٹانے چاہے۔

"پھونک مارو گی تو اٹھوں گا۔" غنی بضد تھا۔

فاطمہ نے بے تحاشا ہنستے ہوئے اس پر پھونک ماری اور وہ چہرے پر بچوں کی سی طمانیت لیے ہوئے اٹھ گیا تھا۔

"زندگی خوبصورت ہے۔" فاطمہ نے غنی کی پشت کو دیکھتے ہوئے شاہ میر کا ماتھا چومتے ہوئے سوچا۔

غنی دیکھ رہا تھا' صرف ساڑھے سات سال کی عمر میں شاہ میر کو کئی ایسی دعائیں اور سورتیں یاد تھیں جو اسے خود نہیں آتی تھیں۔ فاطمہ شاہ میر سے کہتی۔

"شاہ میر! بابا کو بولو ذرا چھٹا کلمہ تو سنائیں۔"

غنی جزبز ہوتا' فاطمہ ہونٹوں پر شرارت بھری مسکان لیے اسے دیکھتی رہتی۔

"بابا۔۔۔ سنائیں نا۔۔۔" شاہ میر اس کے پیچھے پڑ جاتا۔

"وہ یار۔۔۔ ایسا ہے کہ کل سناؤں گا۔" وہ سر کھجاتے ہوئے کہتا۔

"آج کیوں نہیں۔" شاہ میر حیران ہو کر پوچھتا۔

"کل تمہارے ساتھ بیٹھ کر یاد کروں گا نا تو پھر سناؤں گا۔"

"بابا! آپ کو چھٹا کلمہ نہیں آتا۔" شاہ میر دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر بے حد حیران ہوتا۔ اور فاطمہ تاسف سے اسے دیکھتی۔

اگلی صبح جب وہ واقعی ٹوپی پہنے شاہ میر کے ساتھ بیٹھ کر کلمہ یاد کر رہا ہوتا تو شاہ میر اور فاطمہ مسکرا رہے ہوتے۔ شاہ میر یہ منظر دادا اور دادی کو دکھانے چل پڑتا۔

فاطمہ واقعی شاہ میر کو اچھا "مسلمان" بنا رہی تھی۔ اللہ کو تھینک کہنے کا اس سے بہتر انداز اور ہو ہی نہیں سکتا۔ غنی فاطمہ کو ستائشی نظروں سے دیکھ کر اکثر سوچتا۔

☆ ☆ ☆

"بابا! اس دفعہ بھی "دی اسٹوڈنٹ آف دی ایئر" کا ایوارڈ میں نے حاصل کیا ہے۔ اب آپ اپنا پرامس پورا کریں اور مجھے اسکائنگ کلب میں ایڈمیشن دلائیں۔" دس سالہ شاہ میر اپنے مخصوص اٹالین لہجے میں اردو بول رہا تھا۔

"اوکے بابا کی جان! بابا اپنا پرامس پورا کریں گے۔"

"آپ یقیناً دنیا کے بہترین باپ ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"مکھن لگا رہے ہو۔" غنی نے اس کی کمر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھی اور نہیں بھی۔" وہ ذرا دیر کو رکا اور پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

فاطمہ اور غنی بے ساختہ ہنسے تھے۔ محمود صاحب نے بہت پیار سے اپنے لاڈلے پوتے کو دیکھا۔

"تم اردو میں بات نہیں کرسکتے۔" نفیسہ نے جھنجلا کر کہا۔ انہیں اس کی انگریزی بولنے والی عادت سے چڑ تھی۔

"تو سی مینوں کہوتے میں پنجابی بول لینا آں۔" (آپ مجھے کہو تو میں پنجابی بول لیتا ہوں۔) اس کے اٹالین لہجے میں بولی گئی پنجابی اتنے مزے کی تھی کہ حاضرین پہ ایک دفعہ پھر ہنسی کا دورہ پڑا تھا۔ اس نے پنجابی ایک سکھ دوست سے سیکھی تھی۔

"انٹیلکچوئل بوائے۔" فاطمہ نے اسے جاتے دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"ہاں اس کی ماں بھی بہت ذہین تھی۔" فاطمہ کے چہرے پہ تکلیف کے آثار ابھرے، غنی یکدم چپ ہوا، نفیسہ اور محمود غیر محسوس انداز میں وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ ان دونوں کے درمیان گہری خاموشی تھی۔

"تم نے کبھی شاہ میر کی ماں کے متعلق نہیں پوچھا۔" غنی نے دھیرے سے پوچھا۔

"مجھے اس کے ذکر سے تکلیف ہوتی ہے۔" فاطمہ نے جواب دیا۔ غنی اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"آپ شاہ میر کو بتا دیں کہ میں اس کی اصلی ماں نہیں ہوں۔" وہ کچھ دیر بعد بولی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے فاطمہ!"

"فرق پڑتا ہے۔"

"کیا یہ بہت ضروری ہے۔"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اگر آج اسے یہ بات پتا چلی تو اسے بھول جانے میں آسانی ہوگی۔ دس سال بعد وہ اس بات کو بھلانے میں دس سال اور لے گا۔ میں اسے ایک حقیقت پسند انسان بنانا چاہتی ہوں۔"

"وہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔" غنی متذبذب تھا۔

"میں بھی اسی لیے کہہ رہی ہوں۔" وہ بے لچک انداز میں بولی۔

"مگر اس کا ردعمل نیگیٹو ہوا تو؟"

فاطمہ کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا۔

"اللہ نے اسے "مجھے" دیا تھا غنی! وہ میرا ہے۔" وہ غنی کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کے کسی پہر میں اسے اپنے پیروں پر کسی نرم چیز کا لمس محسوس ہوا۔ کوئی گداز سا احساس تھا یا پھر شاید... شاید نمی تھی۔

اس کی گہری نیند اس لمس کے احساس سے ٹوٹی تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"شاہ میر!" اسے شدید دھچکا لگا۔ وہ اس کے پیروں کو چومتے ہوئے رو رہا تھا۔

"شاہ میر... کیا ہوا میری جان!" اس نے شاہ میر کو نیچے سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

"ممی!" وہ اس کے سینے سے لگ کر سسک سسک

ہچکیاں لے رہا تھا۔

"شاہ میر! پلیز مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ کیا کہیں درد ہو رہا ہے۔" وہ بری طرح پریشان ہو گئی تھی۔

"ممی! صرف آپ میری ممی ہیں اور کوئی نہیں' کوئی بھی نہیں۔" فاطمہ کو اس کی تکلیف سمجھ میں آ گئی تھی۔

"بابا کہتے ہیں میری ممی مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ آپ میری اصلی ممی نہیں ہیں۔ ممی وہ نہیں ہوتی جو چھوڑ کر چلی جائے' ممی آپ جیسی ہوتی ہے۔ میں روتا ہوں تو آپ بھی روتی ہیں۔ میں ہنستا ہوں تو آپ بھی ہنستی ہیں میری ممی کوئی اور نہیں' میں نہیں جانتا' میں نہیں مانتا۔"

وہ کسی ضدی بچے کی طرح سر کو دائیں بائیں جھٹک کر کہہ رہا تھا۔

"میری ممی صرف آپ ہیں۔" اس نے اب فاطمہ کے کپڑوں کو مٹھیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ غنی نے شاہ میر کو یہ بات بتائی تھی' شاہ میر رو رہا تھا۔ فاطمہ اس سے کہیں زیادہ رو رہی تھی۔

"او گاڈ! میں کس کو چپ کراؤں۔" غنی کے لیے صورت حال مشکل ہو گئی تھی۔

"ہاں' شاہ میر! تم میرے ہی بیٹے ہو' میں تمہاری ممی ہوں۔" وہ اسے بازوؤں میں بھینچے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"شاہ میر! ممی کو کبھی دھوکا تو نہیں دو گے۔" فاطمہ نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ممی!" جواباً وہ رندھی ہوئی آواز میں اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا تھا' غنی نے اپنے منہ پر تھپڑ پڑتا ہوا محسوس کیا۔

☆ ☆ ☆

غنی کی پہلی شادی خالصتاً "ارینج" تھی۔ شاہ میر کی ماں اس کی دور کی کزن تھی' وہ غنی کو پسند نہیں کرتی تھی' وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ تھی۔ یہ بات غنی کو شادی کے بعد پتا چلی تھی۔

شاہ میر کی ماں جسے پسند کرتی تھی' وہ بھی اٹلی ہی میں سیٹل تھا اور اس کے تایا کا بیٹا تھا۔ وہ اٹلی میں اس سے ملاقاتیں کرتی رہی۔ غنی کو اس سارے معاملے کی خبر نہیں تھی۔ اسے خبر تب ہوئی تھی جب شاہ میر کی ماں نے اس سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ وہ اسے طلاق دے بھی دیتا مگر اس دوران اسے پتا چلا کہ وہ پریگننٹ ہے اور ابارشن کروانا چاہ رہی ہے۔ اس نے شاہ میر کی ماں سے ڈیل کی تھی کہ وہ اگر بچے کو جنم دے دے تو وہ اسے طلاق دے گا' اس نے یہ بات مان لی تھی' بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی شاہ میر نے اسے طلاق دے دی تھی اور وہ اپنے ایک دن کے بچے کو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

تین ماہ تک وہ بچہ گورنس' غنی کی ماں اور بھابھی کے ہاتھوں پلتا رہا پھر غنی کی ماں کو اس کی دوسری شادی کا شوق ہوا' غنی مجبور تھا اپنے بچے کی وجہ سے' اس نے اپنی ماں سے صاف کہا تھا کہ وہ کسی طلاق یافتہ یا بیوہ کا انتخاب کرے۔

مگر نفیسہ اپنے "عورت" ہونے کے ناتے مجبور تھیں۔ انہوں نے غنی کو جب یہ بتایا کہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے تو غنی نے ان سے ضد کی کہ وہ ان لوگوں کو ساری حقیقت بتا دیں۔ نفیسہ اس سے یہی کہتی رہیں کہ وہ ان لوگوں کو حقیقت بتا چکی ہیں اور غنی مطمئن ہو گیا تھا۔

پر شادی کی رات نفیسہ نے غنی کو بتایا تھا کہ فاطمہ اور اس کی فیملی اس بات سے بے خبر ہیں۔ غنی سناٹے میں رہ گیا تھا' اس کی ماں نے اس کو دھوکا دیا تھا' وہ کمرے میں گیا۔ وہ فاطمہ کو پہلی رات ہی سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا مگر یہ اس کی دوسری شادی تھی۔ فاطمہ کی نہیں' اس سوچ نے اسے حقیقت حال فاطمہ کو بتانے سے روکا۔

بعد ازاں فاطمہ اتنی خوش تھی کہ اسے بتانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی اور اب اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی وہ فاطمہ کا اعتبار بحال کرنے میں کچھ خاص کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

digest novels lovers group

اگلا سال غنی کے لیے کچھ خوشگوار ثابت نہیں ہوا تھا۔ نفیسہ کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ وہ سب لوگ پاکستان نفیسہ کی تدفین کے لیے گئے تھے۔ غنی کے والد وہیں پر سیٹل ہو گئے تھے جبکہ فاطمہ، غنی اور شاہ میر اٹلی واپس آ گئے تھے۔

فاطمہ کے لیے بھی یہ ایک شاک تھا، حالات نارمل ہو ہی جاتے مگر ایک ایسا حادثہ رونما ہوا جس نے فاطمہ کو ختم کر دیا تھا۔

غنی کو سویئر ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور وہ جان لیوا ثابت ہوا تھا، غنی کا بھائی اس کی ڈیڈ باڈی پاکستان لے جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ فاطمہ ساکت تھی، خاموش تھی، طوفان کے آنے سے پہلے کسی درخت کے پتے کی طرح شاہ میر بری طرح سے سہما ہوا تھا۔

"مجھے رونا چاہیے نا، میری آنسو کدھر ہیں؟" اس نے بے جان زرد ہاتھوں سے اپنے چہرے کو ٹٹولا۔

جب اٹلی میں موجود اس کے گھر کو لاک لگایا جا رہا تھا تو اسے یاد آیا، اس کے بھائی نے ایک دفعہ کہا تھا۔

"تم غنی کے ساتھ جا رہی ہو۔" وہ آج بھی غنی کے ساتھ جا رہی تھی مگر اب کے سفر واپسی کا تھا۔

"وہاں غنی کی فیملی بھی ہو گی۔ تمہیں سیٹل ہونے میں مشکل پیش نہیں آئے گی۔"

پاکستان میں اس کی ساری فیملی تھی مگر اب وہ پاکستان کیا دنیا کے کسی گوشے میں بھی سیٹل نہیں ہو سکتی تھی۔

سیڑھیوں پر پاؤں رکھتے ہوئے اسے یاد آیا۔

اس نے منجمد کر دینے والی ٹھنڈ میں یہاں بیٹھ کر غنی کا انتظار کیا تھا۔ اب وہ کس کا انتظار کرے؟ کیا موت کا؟

اس نے جوتے اتار دیے۔ ٹھنڈ تب بھی تھی، ٹھنڈ آج بھی تھی۔ ٹھنڈ نے تب بھی اس پر اثر نہیں کیا تھا، آج بھی وہ اس پر اثر کرنے میں ناکام ہوئی تھی۔ اسے "غنی" ہر طرف نظر آ رہا تھا پھر یہ لوگ کیوں کہہ رہے ہیں کہ وہ مر گیا۔

اس نے ترحم سے اپنی جانب دیکھتی غنی کی بھابھی کو دیکھ کر حیرانی سے سوچا۔

"فاطمہ! جوتے پہن لو۔" اس کی بھابھی نے کہا۔

اس نے بلا چون و چرا کیے جوتے پہن لیے تھے۔ شاہ میر اس کے ساتھ لگا ہوا تھا، وہ کانپ رہا تھا۔ انہیں آج پاکستان جانا تھا، سڑک پر سے گزرتے ہوئے اسے غنی کے ساتھ گزرے ہوئے لمحے یاد آئے۔

غنی اس پر ہنس رہا تھا۔ سب کچھ وہیں کا وہیں تھا۔ کیا چیز مس پلیس تھی؟ اسے اور بھی بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

"مجھ پر پھونک مارو۔" اسے اپنے گھٹنوں پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔

"تمہیں کبھی صحیح ناٹ لگانی آئے گی یا نہیں۔" وہ اس پر غصہ ہو رہا تھا۔

"ہمت کیا کرواتا کام۔" وہ اس کے ماتھے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

لمحوں کا لمس اس کے وجود پر بچھو کی طرح رینگنے لگا تھا۔ یاد کا زہر پھیل رہا تھا۔ وہ اپنی چیخوں کو نہیں روک سکی تھی، شاہ میر نے بھی اس کے وجود سے لپٹ کر رونا شروع کر دیا تھا، وہ بے خود ہو رہی تھی، اس کا بازو کار کے دروازے سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا تھا۔ غنی کے بھائی کو گاڑی روکنا پڑی۔ اس کی بھابھی اسے سنبھالنے میں ناکام ہو رہی تھیں۔ غنی نے پھر اسے دھوکا دیا تھا۔

✲ ✲ ✲

"آپ کو کبھی بھی صحیح ناٹ لگانی نہیں آئے گی۔" وہ منہ پھلا کر کہہ رہا تھا۔

"لگا سکتی ہوں۔" اس نے دوبارہ ناٹ کس کر لگاتے ہوئے کہا۔ یہ ان دونوں کا پچھلے پانچ سال سے صبح کا معمول تھا، وہ شاہ میر غنی تھا اور وہ غنی محمود کی بیوہ۔

پچھلے پانچ سال سے فاطمہ غنی کے باپ کے ساتھ رہائش پذیر تھی۔ پاکستان آنے کے بعد وہ شاہ میر کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوئی تھی۔ اپنی فیملی کے دباؤ کے باوجود اس کی شادی محض بیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ فاطمہ نے پاکستان آنے کے بعد اپنی تعلیم مکمل

کی تھی اور اب وہ کالج میں لیکچرار تھی، شاہ میر او لیول میں تھا۔

"وقت" بدل جاتا ہے، اسی لیے یہ سب بڑا مرہم ہوتا ہے، فاطمہ کسی حد تک نارمل ہو چکی تھی مگر اب وہ ایک بے حد سنجیدہ خاتون تھی جسے مسکراتے ہوئے شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔

فاطمہ کے لیے غنی کی وفات کے بعد کچھ پرپوزل آئے تھے۔ شروع شروع میں اس کی ماں نے اس کی دل آزاری کے خیال سے اسے آگاہ نہیں کیا تھا مگر پچھلے چند سالوں سے اس کے خاندان کا دباؤ اس پر بڑھ رہا تھا۔ اس کا ہر دفعہ یہی جواب ہوتا۔

"شاہ میر میرے لیے کافی ہے۔"

"شاہ میر تمہاری اولاد نہیں ہے۔" اس کی ماں اسے دلیل دیتی۔

"شاہ میر! میرے لیے کیا ہے، یہ آپ کبھی بھی نہیں جان سکتیں۔" وہ بہت بگڑے ہوئے لہجے میں دلیل کو رد کرتی۔

اس کی ماں نے اس کے سسر کے ذریعے اس پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی مگر کسی چکنی سطح سے پھسلنے والی چیز کی طرح اسے صرف ایک بات معلوم تھی۔

"وہ شاہ میر کی ماں ہے۔"

☼ ☼ ☼

"ممی۔۔۔" وہ نماز کے بعد دعا مانگ رہی تھی، جب شاہ میر نے اسے پکارا۔ اس نے دعا ختم کر کے اسے دیکھا، وہ اسے پلکیں جھپکائے بنا دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے اپنے سولہ سالہ بیٹے کو دیکھا۔ وہ ابھی ابھی فجر کی نماز پڑھ کر لوٹا تھا۔ ٹوپی پہننے کی وجہ سے اس کے بال بے ترتیب ہو گئے تھے۔ فاطمہ نے لاشعوری طور پر اس کے بال ہاتھ سے ٹھیک کیے۔

"ممی! آج کیا ہے آپ کی؟"

"سینتیس سال۔" فاطمہ نے حیرت سے جواب دیا۔

"سینتیس سال۔" اس نے سوچتے ہوئے دہرایا۔

"آپ شادی کیوں نہیں کرتیں؟" فاطمہ صدمے سے کچھ بول نہیں سکی تھی۔

"آپ کو برا لگا ممی!"

"شٹ اپ شاہ میر! میرا ہی قصور ہے، جو تمہیں اس حد تک جانے دیا۔ ماں کو ماں ہی رہنا چاہیے، دوست نہیں بننا چاہیے۔" وہ بے حد بگڑ کر کہہ رہی تھی۔ شاہ میر بے ساختہ ہنسا۔ اس نے اپنا بازو اس کے شانے پر پھیلایا۔

"ہٹاؤ ہاتھ۔" فاطمہ نے برہم لہجے میں کہا۔ وہ بدستور ہنس رہا تھا۔

"بتائیں نا آپ کیوں نہیں کرتیں شادی۔"

"شاہ میر! اب میں تمہیں تھپڑ ماروں گی۔"

"مام میں سیریس ہوں۔"

"میں بھی سیریس ہوں بیٹا!" فاطمہ نے دوبدو جواب دیا، شاہ میر کچھ دیر کے لیے چپ ہو گیا۔

"آپ میری وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔"

"ہاں۔"

"تو پھر آپ میرے کہنے پر شادی کر لیں۔" فاطمہ لاجواب ہوئی۔

"شاہ میر! تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو، تم ایسا مت کہو، مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے، کم از کم تمہارے منہ سے سن کر۔"

"ممی! آپ جانتی ہیں مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے، جب سب لوگ کہتے ہیں کہ میں آپ کی خوشی کی راہ میں رکاوٹ ہوں۔" وہ فاطمہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نم آواز میں بولا۔

"تم لوگوں کی پروا مت کرو۔"

"میں لوگوں کی پروا کرتا بھی نہیں ہوں۔"

"تو پھر؟"

"پھر یہ کہ ممی! میں آپ کو ہنستا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں ممی! آپ آئندہ پچاس سال تک بھی میرے لیے میرے ساتھ بخوشی گزار لیں گی، مجھے یقین ہے ممی! میں جانتا ہوں مگر ہو گا کیا، آپ کبھی خوشی کو

فیل نہیں کر سکیں گی۔ آپ کبھی مسکرائیں گی نہیں، آپ کلرڈ کپڑے نہیں پہنیں گی۔ آپ لپ اسٹک تک استعمال نہیں کرتیں آپ یونہی رہیں گی غنی محمود کی بیوہ کے طور پر، ایک بیوہ کے ساتھ لوگ کیا کرتے ہیں' اس کے لیے ہر چیز کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔"

فاطمہ حیرت سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ اگر خوش ہیں تو پھر آپ مسکراتی کیوں نہیں، مجھے تکلیف ہوتی ہے آپ کو اس طرح سے دیکھ کر۔"

"میں مسکراؤں گی شاہ میر! جب تمہارے بچوں کو کھلاؤں گی۔" فاطمہ نے اسے بہلانا چاہا' وہ جذباتی ہو رہا تھا۔

"میرے بچوں کے آنے میں ابھی دس سال باقی ہیں ممی! آپ ان دس سالوں میں کیا کریں گی' میں پاپا کو واپس نہیں لا سکتا مگر آپ کو خوشی تو دے سکتا ہوں۔" وہ فاطمہ کے شانوں کو پکڑ کر بولا۔

فاطمہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی، خلوص سچائی بن کر چمک رہا تھا وہاں۔

"شاہ میر! تم ابھی بچے ہو، تمہیں آئندہ آنے والی مشکلات کا اندازہ نہیں ہے۔" فاطمہ نے اس کا ماتھا چوما۔

"ممی.... آپ۔"

"کوئی اور بات نہیں شاہ میر۔" اس نے شاہ میر کو سختی سے ٹوک دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بات کرتے کرتے یکدم چپ ہوئے تھے۔

"وہ کون ہیں؟" انہوں نے آف وہائٹ چادر میں لپٹی ایک خاتون کی طرف اشارہ کر کے اپنی بہن سے پوچھا۔

"وہ؟"

"ہاں۔"

"میری کولیگ ہے شاہ میر غنی کی مدر۔"

"شاہ میر کی مدر.... وہ تو اسی کی طرح ینگ ہیں۔"

پوچھنے والے نے حیرت سے کہا۔

"یار! ویسے وہ اس کی ماں نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ حقیقت میں چکرا گئے تھے۔

"مطلب یہ کہ شاہ میر' فاطمہ کے مرحوم شوہر کی اولاد ہے۔"

"اوہ...." وہ بے اختیار امپریس ہوئے تھے' ان کی بہن اب فاطمہ کے متعلق انہیں بتا رہی تھی۔

عباس حیدر کی بہن فاطمہ کی کولیگ تھی اور آج اس کے بیٹے کی برتھ ڈے پارٹی تھی۔ عباس GC کے پروفیسر تھے جبکہ شاہ میر ان کا ہونہار اسٹوڈنٹ تھا۔

عباس کچھ دیر بعد شاہ میر کے توسط سے فاطمہ سے متعارف ہو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"گرینڈ پا! آپ ممی کو سمجھاتے کیوں نہیں۔" وہ حد درجہ جھنجلایا ہوا تھا۔

فاطمہ کا چہرہ سرخ ہوا' اس نے کانٹے کو میز کے کنارے زور سے پٹخا۔

"فاطمہ! آپ مان کیوں نہیں جاتیں۔"

"پاپا! آپ اس نالائق کی باتوں میں مت آئیں۔"

"وہ ٹھیک کہتا ہے۔"

"وہ غلط کہتا ہے۔" فاطمہ نے زور دے کر کہا۔

"او کے' او کے۔ سیز فائر۔" شاہ میر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ممی! آپ میری بات سنیں' آپ صرف ایک دفعہ سر عباس سے مل لیں۔"

"جسٹ کیپ یور ماؤتھ شٹ۔"

فاطمہ نے دونوں ہاتھ ٹیبل پر مارتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔ وہ کرسی کو دھکیلتے ہوئے چلی گئی۔ وہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔

عباس حیدر نے فاطمہ کو پرپوز کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

شاہ میر نے اس کے بعد بھی فاطمہ کی جان نہیں چھوڑی تھی' وہ اگلے دو سال وقتاً فوقتاً اسے قائل

کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس دوران محمود صاحب کی وفات بھی ہو گئی تھی' فاطمہ اب مشکل میں پھنسی تھی' شاہ میر اور اس کی اپنی فیملی کا دباؤ اس پر بڑھتا جا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے شاہ میر! ایک شرط پر تمہاری بات مانوں گی۔" اس نے حقیقت میں تنگ آکر کہا۔

"وہ کیا؟" شاہ میر کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

"وہ یہ کہ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہوگا' میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"ممی..." اس نے برا سا منہ بنایا۔

"میں بچہ نہیں ہوں۔"

"تم میرے لیے بچے ہی ہو اگر یہ بات منظور ہے تو ٹھیک ہے' ورنہ نہیں۔"

"GC کا پروفیسر اب پاگل تو نہیں ہو سکتا نا۔" فاطمہ نے دل میں سوچا۔

"اوکے' منظور ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد سوچ کر کہا۔

"آپ یہ بات خود سر عباس کو مل کر بتا دیں۔"

"تم ایڈیٹ ہو۔"

"تھینک یو میڈم!" اس نے ہنستے ہوئے سینے پہ ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"دفع ہو جاؤ اب یہاں سے۔" فاطمہ نے اسے جھڑکا۔

اس نے مسکراتے ہوئے معمول کی طرح فاطمہ کا ہاتھ چوم کر اسے گڈ نائٹ کہا۔

"کیوں تنگ کرتے ہو شاہ میر!" فاطمہ اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے نم لہجے میں بڑبڑائی۔

☼ ☼ ☼

فاطمہ کی عباس سے ملاقات ان کی بہن کے گھر میں ہوئی تھی۔ وہ کافی دیر سے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک سینتیس سالہ خاتون ہونے کے باوجود وہ نروس تھی۔

"آپ کچھ پوچھنا چاہتی ہیں یا بتاتا؟" عباس نے بات کا آغاز کیا۔ فاطمہ نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

شاہ میر کیسے اس کی گود میں آیا' وہ اسے کتنا چاہتی ہے' وہ اس کے لیے کیا ہے' وہ اس کا اپنا بیٹا نہیں ہے اور یہ کہ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس نے ایک سانس میں ساری داستان سنائی تھی۔ عباس نے اس کی تمام باتوں کا جواب فقط ایک مسکراہٹ سے دیا تھا۔

"شاہ میر آپ کا اپنا بیٹا نہیں ہے مگر پھر بھی آپ کے جذبات اس کے لیے ایک ماں سے بھی زیادہ شدید ہیں۔ میں اسے آپ کی عظمت کے علاوہ کیا سمجھوں۔ میری بھی ایک آٹھ سال کی بیٹی ہے اور مجھے اس کے لیے آپ سے بڑھ کر کوئی اور عورت نظر نہیں آئی۔"

فاطمہ بری طرح سے چونکی تھی۔

پچھلے دو سال سے وہ شخص اس کا طالب تھا' کیوں؟ اللہ نے میرے لیے کیا سوچ رکھا ہے؟ وہ اب میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے؟ پہلے بیٹا... اب ایک بیٹی... میں اس کے بعد اور کیا خواہش کروں؟ اس کے بعد میری زندگی میں اور کیا کمی رہ جائے گی؟ کیا اب بھی اعتراض کی گنجائش کہیں رہ گئی تھی؟ فاطمہ جھکے سر کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ پانچ دنوں میں پانچ سالوں کی طرح مریم عباس سے مانوس ہو گئی تھی۔ مریم کی ماں کی وفات اس کی چار سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ وہ گزشتہ چار سالوں سے "پیاسی" تھی۔ پیاسا پانی ہی کی طرف دوڑتا ہے۔ یہی حال مریم کا تھا۔

شاہ میر فاطمہ کے نکاح میں شامل نہیں ہوا تھا' وہ اس کے بعد بھی اس سے ملنے نہیں آیا تھا۔ فاطمہ کو کہیں غلط ہونے کا خیال تنگ کر رہا تھا' وہ کبھی شاہ میر سے اتنے عرصے دور رہی ہے؟ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ عباس اور مریم کے ساتھ کھانے کی میز پر موجود تھی۔ باقی سب لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ وہ "دیکھ" رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ! شاہ میر صاحب آئے ہیں۔" ملازم کی

اطلاع پر چمچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا تھا۔ وہ بہت بے تابی سے اٹھی، عباس اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔

ڈرائنگ روم کے دروازے پر وہ جھجک کر رہ گئی۔ صرف پانچ دن بعد مجھے شاہ میر کو بلانے میں اتنی دقت پیش آرہی ہے، زندگی انسان کو واقعی بدل دیتی ہے، فاطمہ کے دل کو کچھ ہوا۔ شاہ میر مڑا، فاطمہ کی پلکیں خود بخود جھک گئی تھیں۔

"ممی۔۔۔" اس کی آواز میں غیر معمولی خوشی تھی۔ فاطمہ نے اپنے آنسوؤں پہ قابو پانے کی کوشش کی۔

"بہت کیوٹ لگ رہی ہیں آپ۔"

وہ سات سال بعد لائٹ فیروزی کلر کے سوٹ میں فاطمہ کو "تیار" دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ میک اپ سے عاری تھا مگر پھر بھی کچھ تو ایسا تھا جو تبدیلی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"شاہ میر!" اس نے ہنستے ہوئے سر کو نفی میں جھٹکا۔

"ریئلی ممی! بہت اچھی لگ رہی ہیں اور آپ کے وہ کدھر ہیں۔" اس نے بے حد شرارتی انداز میں پوچھا۔

"شٹ اپ شاہ میر!" فاطمہ کا چہرہ یکدم سرخ ہوا تھا۔ شاہ میر اپنی ہنسی کو روک نہیں سکا تھا۔

"ممی۔۔۔"

"یہ آپ کی ممی نہیں ہیں۔"

مریم نے خاصے جارحانہ انداز میں آکر شاہ میر کو ٹوکا تھا، شاہ میر کی ہنسی کو بریک لگے۔ فاطمہ ہنسنا شروع ہو گئی۔

"کیوں، یہ میری ممی کیوں نہیں ہیں۔" وہ بگڑا۔

"اس لیے کہ یہ میری ممی ہیں۔"

"یہ تم سے پہلے میری ممی ہیں۔"

"نہیں، یہ ممی میری ہیں۔" وہ فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ وہ بلا کی ہٹ دھرم واقع ہوئی تھی، شاہ میر زچ ہوا۔

"اچھا یہ بتاؤ میں بڑا ہوں یا تم۔"

"میں۔۔۔"

وہ پورے وثوق سے بولی۔ شاہ میر فاطمہ کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔ فاطمہ کے لیے ہنسی کو کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ شاہ میر کا فیصلہ درست تھا۔ وقت نے ثابت کر دیا تھا۔

✿ ✿ ✿

"شاہ میر اس گھر میں کب شفٹ ہو رہا ہے؟" فاطمہ فون کر رہی تھی، وہ بٹن دبانا بھول گئی تھی۔

"فاطمہ! میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔" عباس نے اسی نرم لہجے میں کہا جس سے وہ فاطمہ سے بات کرنے کے عادی تھے۔

"وہ میری بات نہیں مان رہا ہے، بہت بدتمیز ہو گیا ہے، وعدہ خلافی کر رہا ہے مجھ سے، آپ سمجھائیں نا اسے۔" فاطمہ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کالج کب جوائن کر رہی ہیں؟" عباس نے بات بدلی تھی۔ فاطمہ خاموش ہو گئی۔

"حمید صاحب کہہ رہے تھے کہ آج کا ڈنر ان کے ہاں ہے۔ آپ تیار رہیے گا۔" عباس اسے ہدایت کرتے ہوئے چلے گئے۔

"مرد بہت خود غرض ہوتے ہیں اور یہ حقیقت کبھی نہیں بدلتی۔" فاطمہ نے کراہ کر سوچا۔

✿ ✿ ✿

"زندگی میں جسے ہم Rise سمجھتے ہیں، وہ دراصل ہمارا Fall ہوتا ہے۔" فاطمہ اپنے سامنے کے منظر میں ڈوبتے ہوئے سورج کو دیکھ رہی تھی۔ زندگی نے اسے یہی سبق پڑھایا تھا۔

"ممی۔۔۔" شاہ میر نے پیچھے سے آکر اپنے دونوں بازو اس کے شانوں کے گرد پھیلا دیے۔

"ناراض ہیں۔" فاطمہ نے جواب نہیں دیا۔

شاہ میر نے اس کا رخ اپنی طرف کیا، وہ رو رہی تھی، شاہ میر کو دھچکا لگا۔

"تمہیں میں کیا کہوں شاہ میر؟ تم نے ایک دفعہ کہا تھا کہ میں مسکراتی نہیں ہوں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے، میں اب بھی مسکرا نہیں سکتی شاہ میر! تم جان سکتے

ہو کہ مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ کاش تم جانتے۔"
فاطمہ نے زور سے آنکھیں بند کر کے کہا۔ شاہ میر کے ہونٹ کپکپائے۔
"تم میرے لیے کیا ہو‘ کیا میں اب تمہیں یہ بتاؤں؟ میں مرجاؤں گی شاہ میر! میں مرجاؤں گی۔"
وہ کئی دفعہ فاطمہ کے سینے سے لگ کر رویا تھا۔ آج فاطمہ اس کے سینے سے لگ کر رو رہی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کے آنسو صاف کر کے اسے چپ کروا سکتا۔ فاطمہ نے یہ کام ہزار دفعہ کیا تھا۔
"ممی..." اس نے بھی فاطمہ سے لپٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔ وہ یہی کر سکتا تھا‘ فاطمہ روتے روتے مسکرائی تھی۔
"میں نے کہا تھا نا کہ تم ابھی بچے ہو۔" فاطمہ نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔
"سوری۔" بوجھل آواز میں کہتے ہوئے وہ بھی فاطمہ کے آنسو صاف کر رہا تھا۔
"کس کے ساتھ آئے ہو؟"
"کان سے کھینچ کر لایا ہوں اسے میں‘ یہ گدھا اب کہیں جا کر تو دکھائے۔ کیوں ینگ مین‘ جاؤ گے اب کہیں۔" عباس نے اس کے کان کو کھینچتے ہوئے کہا۔ فاطمہ پلکیں جھپکانا بھول گئی تھی۔
"ضروری نہیں فرشتوں سے آپ کی ملاقات آسمانوں پر ہی ہو۔ کبھی کبھی ان سے ملاقات کا شرف آپ کو زمین پر ہی بخش دیا جاتا ہے۔ جو آپ کا Fall ہوتا ہے‘ دراصل وہی آپ کا Rise ہوتا ہے۔ حقیقتیں کبھی کبھی بدل بھی جایا کرتی ہیں۔"

☼ ☼ ☼

"شاہ میر! اٹھ جاؤ بیٹا! نماز قضا ہو رہی ہے۔"
"اٹھتا ہوں ممی!" وہ کسمسایا۔
"اٹھ جاؤ‘ اب میں جگانے نہیں آؤں گی۔" وہ اس نرم آواز کو پچھلے چوبیس سال سے سنتا آرہا تھا۔ وہ اس آواز کے حصار میں تھا‘ اس نے پھر سے فاطمہ کو وہی الفاظ دہراتے سنا۔ اب وہ مریم جو جگا رہی تھی۔

اس نے ٹوپی اتار کر اپنے سامنے بیٹھی عورت کو دیکھا۔ مریم اس کی گود میں سر رکھ کر سو چکی تھی۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھی۔
شاہ میر آگے بڑھا‘ اس نے فاطمہ کے شانے سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ تلاوت کی ہلکی آواز اس کی سماعتوں میں قطرہ قطرہ سکون انڈیل رہی تھی۔ وہ بلاشبہ آواز کے حصار میں تھا‘ فاطمہ نے تلاوت ختم کی‘ شاہ میر اس کے کندھے سے سر ٹکائے سو چکا تھا۔
فاطمہ نے اپنے دونوں بچوں پر پھونک ماری‘ وہ دونوں ہی گہری نیند میں تھے۔
"اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔" (سورہ رحمٰن)
"میں شکر کیسے ادا کروں؟" فاطمہ نے ایک دفعہ پھر سے خود کو بے بسی کی انتہا پر پایا۔

☼ ☼ ☼

"ممی! ناٹ لگائیں۔" شاہ میر اس کے سر پر کھڑا تھا۔
"خود سے صحیح ناٹ نہیں لگتی کیا؟" اس نے ٹوسٹ پر جیم لگا کر بعجلت عباس کو پکڑاتے ہوئے کہا۔
"وہ تو آج تک آپ سے بھی نہیں بنی۔" شاہ میر نے دوبدو جواب دیا۔
"گدھا۔" فاطمہ بڑبڑائی جبکہ مریم اور عباس ہنس رہے تھے۔
شاہ میر نے بیٹھنے سے پہلے مریم کا منہ چڑایا‘ یہ اس پر فرض تھا۔
"ممی! شاہ میر بھائی نے پھر منہ چڑایا ہے۔" وہ حسب عادت تپ گئی تھی۔
"بھائی..." چائے کا سپ لیتے ہوئے شاہ میر کا منہ جل گیا۔
"کیوں تنگ کرتے ہو بہن کو۔" عباس نے اخبار کو تہ کرتے ہوئے پوچھا۔
"بہن۔"
چائے کے گھونٹ کو حلق سے نیچے اتارنے کے

لیے اس نے بے ساختہ پانی کا گھونٹ بھرا۔
"کیا ہو گیا تمہیں؟" فاطمہ نے اس کی حرکت کو نوٹ کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔
"کچھ نہیں، مریم چلو جلدی کرو۔" اسے مریم کو کالج ڈراپ کرنا تھا۔
"آپ گاڑی اسٹارٹ کریں میں آئی۔" مریم ناشتے میں مشغول تھی۔
"مریم!" وہ پورے پانچ منٹ گاڑی میں گزارنے کے بعد دوبارہ اندر آیا تھا۔
"بس آرہی تھی۔" مریم نے بھی حسب معمول اسے بتا دیا۔
"ہم۔"
"شاہ میر! کوئی لڑائی نہیں کرنی بہن سے۔" فاطمہ نے اسے تنبیہہ کی۔
"مریم۔"
"جی۔"
"میرا سر پھاڑ دو۔"
"کیوں نہیں۔" مریم نے لاؤنج میں سے گزرتے ہوئے کارنس پہ رکھا گلدان اٹھایا تھا۔
"لاحول ولا قوۃ۔" وہ بدک کر پیچھے ہٹا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سر! ایک مسئلہ ہے۔"
"وہ کیا ینگ مین؟"
"مجھے کچھ کچھ فیل ہونے لگا ہے۔"
"کیا فیل ہونے لگا ہے۔"
"یہی کہ اب میری شادی ہو جانی چاہیے۔"
"ینگ مین، میرے ساتھ بھی ایک مسئلہ ہے۔"
"وہ کیا سر؟"
"مجھے بھی یہی فیل ہونے لگا ہے کہ میری بھی اب شادی ہو جانی چاہیے۔"
"کوئی بات نہیں، اس عمر میں ایسے شوق ہو جایا کرتے ہیں۔" وہ لاپروائی سے بولا۔
"اوئے میں تمہارا ٹیچر ہوں۔"
"تو میں بھی تو اسی بات کا ثبوت پیش کر رہا ہوں۔" وہ معصومیت سے بولا۔
مریم اپنا قہقہہ نہیں دبا سکی تھی۔ فاطمہ نے مسکراتے ہوئے اس کی کمر پر ہاتھ مارا۔ وہ سب اس وقت شام کی چائے پی رہے تھے۔
"تو پھر بشیراں فٹ رہے گی۔" عباس نے نوکرانی کا نام لیا۔
"اپنی بات کر رہے ہیں نا سر۔" اس کی بات نے ایک دفعہ پھر سے سب کو ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"بی سیریس شاہ میر! کیا کوئی پسند ہے تمہیں۔" فاطمہ نے پوچھا۔
"ہے تو سہی۔"
مریم کو یکدم بے چینی ہوئی، وہ اٹھ گئی۔ عباس پہلے ہی فون سننے جا چکے تھے۔
"اب میرا خیال ہے کہ آپ کو خود ہی اسٹارٹ ہو جانا چاہیے۔" فاطمہ نے کہا، وہ مسکرایا۔
"یہ مریم کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟" وہ بہت ریلیکس ہو کر پوچھ رہا تھا۔
"مریم!" فاطمہ چونکی۔ وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔
"تو پھر میں کیا کروں۔"
"کرنا کچھ بھی نہیں، بس اس سے بات کرنی ہے۔"
"تم خود کیوں نہیں کرتے۔" فاطمہ نے چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔
"کیا مار کھانی ہے مجھے؟" وہ آنکھوں میں خفگی لیے بولا۔
"ممی۔" اس نے جاتے ہوئے فاطمہ کو پکارا۔
"کیا کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔"
"تمہیں کیا لگتا ہے۔"
"ہونا تو نہیں چاہیے۔" وہ اعتماد سے بولا۔
"اور ہو گا بھی نہیں۔" فاطمہ نے بھی اعتماد سے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆

"واٹ۔" مریم کو کرنٹ لگا۔

"مجھے شاہ میر سے شادی نہیں کرنی۔"

"او گاڈ بہت ہی بے وقوف ہے۔"

اس نے تپ کر سوچا۔ مریم کی آواز باہر تک آرہی تھی۔

"تمہیں اعتراض کیا ہے!"

وہ اس کے کمرے کے دروازے پہ کھڑا پوچھ رہا تھا۔

مریم کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ اس کی "نہ" پہ بگڑ رہا تھا' اس کا مطلب تھا کہ کچھ ہے۔ مریم یکدم پرسکون ہوئی۔

"آپ مجھے منہ چڑاتے ہیں؟" وہ بے حد آرام سے بولی۔ شاہ میر نے بے چارگی سے فاطمہ کو دیکھا۔ فاطمہ نے کندھے اچکائے۔

"تو تم بھی میرا منہ چڑا لیا کرنا؟" اس نے حل پیش کیا۔ مریم لاجواب ہوئی۔

"آپ بہت لمبے ہیں؟"

"تم ہائی ہیل استعمال کرلیا کرنا۔"

"آپ بہت فیر ہیں۔"

"تو پرابلم! ہم فیئر اینڈ لولی بنانے والوں سے معاہدہ کرلیں گے۔؟"

"آپ بہت ریش ڈرائیونگ کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے تمہارے لیے ڈبل سیٹ بیلٹ لگوالوں گا۔"

"ہربات میں مَیں ہی کمپرمائز کروں کیوں؟" وہ چلائی۔

"او کے اس بات پہ میں کرلیتا ہوں۔" وہ مصالحتی انداز میں بولا۔

فاطمہ نے تاسف سے دونوں کو دیکھا اگر مریم کے اعتراضات (اگر ان کو اعتراضات کہا جاسکے تو) لمبے تھے تو شاہ میر کے "حل" بہت شاندار تھے۔ فاطمہ نے عباس حیدر سے بات کرلی تھی۔

کوئی اعتراض تب کرتا ہے جب کہیں اعتراض کی گنجائش ہو۔ کیا گنجائش کہیں تھی؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لیے دماغ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت کوئی بے وقوف ہی محسوس کرے گا۔

☼ ☼ ☼

اگلے چند روز فاطمہ کی فیملی کے لیے بڑے خوشگوار ثابت ہوئے تھے۔ مریم اور شاہ میر کی شادی کردی گئی تھی' سب کچھ وہیں کا وہیں ہوتے ہوئے بھی بدل گیا تھا۔

اب میں اللہ سے اور کیا مانگوں؟

ایک عورت اس سے زیادہ اور کیا خواہش کرے گی۔

"ثمر" مل رہا تھا۔ فاطمہ خوش نہیں تھی۔ وہ سرشار تھی' زندگی میں آپ واقعی وہی کاٹتے ہیں جو آپ بوتے ہیں۔ اس فلسفے کو فاطمہ عباس سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"تم نے مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا۔" فاطمہ نے ریسیور کو کان سے علیحدہ کرکے حیرانی سے دیکھا۔

"تم خون چوسنے والی بلا ہو۔" فاطمہ کی حیرت کم نہیں ہورہی تھی۔

"ٹھیک ہے تم اسے آکر لے جاؤ۔" فاطمہ اس سے زیادہ برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

پچھلے کچھ دنوں نے ایسی کالز نے اسے زچ کردیا تھا۔ فاطمہ جانتی تھی وہ شاہ میر سے بھی رابطے میں ہے ان دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے وہ اس سے لاعلم تھی البتہ شاہ میر ان دنوں بہت پریشان تھا' فاطمہ اس کی پریشانی ختم کرنا چاہ رہی تھی۔

وہ اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارنے جارہی تھی اور اس بات سے وہ لاعلم نہیں تھی۔

"شاہ میر! تمہاری ممی آئی ہیں۔" اسے لفظ "ممی" کہنے میں دقت ہوئی تھی یا شاہ میر کو سننے میں دونوں ہی فیصلہ کرنے سے قاصر تھے۔

"ممی" اس نے فاطمہ کی پشت کو دیکھ کر سوچا۔ اسے بے اختیار اپنا باپ یاد آیا تھا۔ ایک دفعہ اس نے شاہ میر کو حقیقت کی اذیت سے دوچار کروایا تھا' آج یہ کام فاطمہ کررہی تھی اور کیا خوب کررہی تھی' اس نے بے حد بے تابی سے اس عورت کو اٹھتے دیکھا وہ والہانہ انداز میں اس کا منہ چوم رہی تھی۔ وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

اس نے فاطمہ کو دیکھا' وہ اس عورت کے آنسو

digest novels lovers group

صاف کرنے کا عادی نہیں تھا' وہ جس کے آنسو صاف کرنے کا عادی تھا وہ آج اپنے آنسو اس سے چھپا رہی تھی' وہ عورت اس کا چہرہ تھامے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں کے لمس سے اسے کوئی توانائی نہیں مل رہی تھی اس کے ہاتھ گرم تھے مگر پھر بھی وہ شاہ میر کو سرد کر رہے تھے۔

"لمس" ہاتھ میں نہیں جذبات میں ہوتا ہے۔ شاہ میر کو ادراک ہوا۔

"میں تمہاری ماں ہوں۔" وہ لرزتی آواز میں بولی۔

"ماں۔" شاہ میر کو کسی نے زور کا تھپڑ مارا تھا۔

"ممی وہ نہیں ہوتی جو چھوڑ کر چلی جائے۔"

وہ ایک دفعہ پھر سے دس سال کا بچہ بن گیا تھا۔

"ممی اس جیسی ہوتی ہے۔" اس نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس عورت کے سامنے کیا۔

"میری ماں کوئی اور نہیں ہے اگر پھر بھی کوئی دعوا کرے تو میں نہیں مانتا۔ میں نہیں مانتا۔" وہ ضدی بچے کی طرح فاطمہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے بولا۔

فاطمہ کا دل بے اختیار کھلکھلانے کو چاہا۔

"ہاں میں تمہاری ممی ہوں۔" فاطمہ نے بے حد پیار سے کہا۔

"اس۔۔ اس عورت نے تمہیں میرے خلاف ورغلایا ہے۔ اس نے چوبیس سال تمہارے دل میں میرے لیے نفرت بھری ہے۔" شاہ میر کی ماں جذبات کی شدت سے بے قابو ہو رہی تھی۔ شاہ میر شاکڈ رہ گیا۔

"انہوں نے مجھے کیوں ورغلایا؟ کیونکہ آپ نے اس بات کا موقع دیا میرے اندر نفرت کیسے بھری انہوں نے کیونکہ آپ خود مجھے چھوڑ گئی تھیں۔ بہرحال یہ دونوں کام انہوں نے نہیں کیے۔ تین ماہ کے بچے کو کیا کوئی ۔۔۔ نفرت سکھائے گا۔"

"شاہ میر! میں مجبور تھی۔"

"اپنے ایک دن کے بچے کو چھوڑنے پر؟" وہ لاجواب ہوئی۔

"میں نے نو ماہ تک تمہاری تکلیف برداشت کی ہے جنم دینے کی اذیت سہی ہے۔ تم میرے ان نو ماہ کا حساب دے سکتے ہو کیا؟ تم تو میری اس تکلیف کا قرض بھی نہیں اتار سکتے۔" وہ جذباتی ہو رہی تھی۔

"آپ مجھ سے نو ماہ کا حساب مانگنے آئی ہیں اگر اس عورت نے مجھ سے اپنے چوبیس سال کا حساب مانگ لیا تو میں کیا کروں گا؟ میں اس عورت کا قرض کیسے اتاروں گا؟" وہ حقیقتاً بھڑک اٹھا تھا۔

"ممتا کیا ہوتی ہے؟ ماں کسے کہتے ہیں۔ اس عورت کی آنکھوں میں جھانک کر اپنے ماں ہونے کو تلاش کریں ممتا کوکھ سے جنم نہیں لیتی۔ ممتا کے دھارے دل سے پھوٹتے ہیں۔ ممتا اگر کوکھ سے جنم لیتی تو کوڑے کے ڈھیر سے کبھی کوئی بچہ نہ ملتا۔

بنجر کون ہے؟ آپ یا یہ۔۔" وہ اس عورت کے وجود کو یخ پانی میں دھکیل چکا تھا۔ وہ اسے آئینہ دکھا رہا تھا' مسئلہ یہ نہیں تھا کہ عکس دھندلا تھا مسئلہ یہ تھا کہ عکس بڑا واضح ہو رہا تھا۔

چوبیس سال پہلے ایک عورت نے ایک بچے کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا اور دوسری نے اپنانے کا ایک نے نصیب کو بدلنے کی کوشش کی تھی دوسری نے نہیں "فیصلہ" صحیح ہے یا غلط یہ وقت بتاتا ہے۔

وقت دونوں کو یہ بات اچھی طرح بتا رہا تھا۔

دو عورتیں۔۔ دو کہانیاں۔۔

وہ دو عورتیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی تھیں۔

"بنجر" کون تھی؟

لفظ "بنجر" کی اس سے بہترین تشریح اور ہو ہی نہیں سکتی تھی' مریم اور شاہ میر دونوں فاطمہ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ لفظ "ممتا" کی اس سے اچھی تشریح اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔

☆ ☆